کے احکام بجالانے کی عادی ہوتو وہ صاحب اقتدار شخص اس معاشرے کا مقتدر اعلیٰ ہے اور معاشرہ بمعہ اس صاحب اقتدار فرد کے سیاسی اور خودمختار معاشرہ ہے۔

مغربی مفکرین کی تعریفات کا ماحصل:

مختلف مفکرین نے حاکمیت یا اقتدار اعلیٰ کی مختلف تعریفیں کی ہیں لیکن اس کے باوجود اقتدار اعلیٰ کا نظریہ ہمیشہ سے ابہام کا شکار رہا ہے سیاسی مفکرین اس کے مختلف پہلوؤں پر مختلف آراء پیش کرتے ہیں اور مقتدر اعلیٰ کے تعین کا مسئلہ مزید پیچیدگیوں کا سبب بنتا ہے اور یہ سب ابہام اس اعلیٰ اختیار کے استعمال اور اظہار کے مسئلے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے لیکن ابہام اور پیچیدگیوں کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ لفظی اختلاف کے باوجود معنوی اعتبار سے تمام ایک جیسی ہیں اور وہ یوں کہ حاکمیت یا اقتدار اعلیٰ ایک برتر قوت کا نام ہے جو اندرونی اور بیرونی طور پر کسی بھی دوسری قوت کے زیر اثر نہیں ہوتی ہے وہ اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہوتی ہے وہ کسی کی تابع نہیں' بلکہ اسی کے تابع ہوتے ہیں اس کا حکم قانون ہوتا ہے اسے افراد ریاست پر حکم چلانے کے غیر محدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں افراد اس کی غیر مشروط اطاعت پر مجبور ہوتے ہیں ریاست کے افراد کو اس کے مقابلے میں کوئی حق حاصل نہیں' جس کے جو کچھ بھی حقوق ہیں اس کے دیئے ہوئے ہیں اور وہ جس حق کو بھی سلب کرے وہ آپ سے آپ معدوم ہو جاتا ہے۔

اقتدار اعلیٰ کے تعین میں دشواری:

اب دیکھنا یہ ہے اس نوعیت کی یہ برتر قوت کیا ہے؟ بعض لوگوں کے ہاں یہ برتر قوت شاہ کی ذات ہے بعض کے ہاں یہ برتر قوت ملکی پارلیمنٹ اور کابینہ ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ برتر قوت خود ریاست ہے' جمہوریت کے حامیوں کے ہاں یہ برتر قوت ملک کے عوام ہیں جبکہ بعض لوگوں کے ہاں یہ قوت وطن ہے۔۸، اب یہ امر قابل غور ہے کہ اقتدار اعلیٰ کی مختلف تعریفوں میں جس برتر قوت کا تصور پیش کیا گیا ہے ایسی کوئی برتر قوت حقیقتاً انسانی دائرے میں پائی جاتی ہیں اور اگر ہے تو وہ کہاں ہے؟ کس کو اس حاکمیت کا حامل کہا جا سکتا ہے کیا کسی شاہی نظام میں واقعتاً کوئی بادشاہ ایسی حاکمیت کا حامل ہے یا کبھی پایا گیا ہے یا پایا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب اثبات میں مشکل ہے کیونکہ بڑے سے بڑے خودمختار بادشاہ کے اقتدار کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت آشکارہ ہو جاتی ہے کہ اس کے اختیارات کو بہت سی خارجی عوامل وعناصر محدود کر رہی ہوتی ہیں جو اس کے ادارے کی تابع نہیں ہوتیں۔ اسی طرح اگر ایک جمہوری نظام کا جائزہ لیا جائے تو پھر واقعی کسی خاص جگہ کو متعین نہیں کیا جا سکتا جس کے بارے میں دعویٰ کیا جائے کہ یہاں واقعی حاکمیت جملہ اوصاف کے ساتھ موجود ہے جس کو بھی آپ حاکمیت کا حامل قرار دیں گے تجزیہ کرنے پر واضح ہوگا کہ اس کے ظاہری اختیار مطلق کے پیچھے کچھ اور طاقتیں ہیں جن کے ہاتھ میں اس کی باگیں ہیں یہی وجہ ہے کہ جب علم سیاسیات کے ماہرین حاکمیت کا واضح تصور لے کر انسانی سوسائٹی کے دائرے میں اس کا واقعی مصداق تلاش کرتے ہیں تو انہیں سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے کیونکہ انسانیت کے دائرے

میں بلکہ درحقیقت مخلوقات کے دائرے میں ان خصوصیات کی حامل ہستی موجود ہی نہیں جو اقتدار اعلیٰ کیلئے ضروری ہوتی ہے۔

قرآنی تصور حاکمیت:

قرآن کریم نے بار بار واضح الفاظ میں اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ بنی نوانسان کے اذہان وقلوب میں جس برتر قوت کا تصور پایا جاتا ہے یہ برتر قوت نہ بادشاہ کی ذات ہے، نہ پارلیمنٹ اور نہ کابینہ ہے نہ ریاست ہے نہ کوئی اور شئی ہے بلکہ یہ برتر قوت خدا کی ذات ہے جو فی الواقع حاکمیت کی حامل ہے وہ انسان کا پیدا کرنے والا بھی ہے اور ارض وسماء اور کل کائنات کا صانع بھی ہے وہی مختار مطلق ہے وہی غیر مسول اور غیر جواب دہ ہے وہی تمام اقتدار کا مالک ہے وہی ایک ایسی ہستی ہے جس کے ختیارات کو محدود کرنے والی کوئی طاقت نہیں ہے۔ اگر ہم اس امر کی تحقیق کرنا چاہیں کہ صحیح حاکمیت کی تلاش میں اہل مغرب کیوں ناکام ہوئے ہیں اقتدار اعلیٰ کا تصور و تعین ان کیلئے کیوں مبہم اور پیچیدہ بنا ہوا اس کا تعین کیوں مشکل ہے تو ہم آسانی کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ اس کی ناکامی کی وجہ ان کے ہاں جسم اور روح کی علیحدگی کی کوشش ہے جبکہ جسم اور روح کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا اور اگر اس کو علیحدہ کرنے کی کوشش کی جائے تو اس کا نتیجہ موت ہوگا جب دونوں کو علیحدہ نہیں کیا جاسکتا تو ان کے تقاضوں کو بھی علیحدہ نہیں کیا جاسکتا قرآن کریم کے نزدیک جسم اور روح کے تقاضے مختلف نہیں، دین اور دنیا ایک ہی چیز ہے اس میں دوئی نہیں پائی جاتی اس لئے قرآن پاک کے نزدیک ان سے متعلق احکام اور قوانین تجویز کرنیوالی ذات بھی ایک ہی قرآن پاک کا اعلان ہے کہ اگر کائنات میں دو حقیقی مالکوں کا وجود ہوتا تو بدنظمی اور فساد ہوتا۔ لو کان فیهما الهة الا الله لفسد تا(القران .الانبياء : ٢٢)

اگر ان دونوں (زمین اور آسمان) ''میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو دونوں خراب ہو جاتے'' دنیا میں تمام انبیاء کرام کا اصل مشن اور مقصد خدا کی حاکمیت کا اقرار کروانا اور اسکا عملی نفاذ تھا تمام انبیائے کرام نے لاالـه الا اللـه کی طرف انسانیت کو بلایا۔ کـلـمـه لاالـه الااللـه کے تقاضوں کو اگر مدنظر رکھا جائے تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ انسان اپنی آزادی اور خودمختاری سے دست بردار ہو کر اپنے آپ کو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کے حوالے کردے اس کو اپنا کارساز، حاجت روا، مشکل کشا اور حامی وناصر سمجھے کیونکہ سارے اختیارات کا مالک وہی ہے قرآن کریم نے اس حقیقت کا اعلان کیا ہے۔

ان الحكم الا لله (القران .الانعام ۵۷) ''حکم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نہیں ہے''۔

مالهم من دونه من ولى ولا يشرك فى حكمه احدا(القران :الكهف : ٢٦)

''اس کے سوا بندوں پر کوئی مختار نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا''۔

لله الامرمن قبل ومن بعد(القران .الروم:۴)

سب کام یا اختیار پہلے اور پچھلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں'' قرآن کریم نے مختلف مقامات پر مختلف پیرائے میں اس حقیقت کو انسانوں

کے دل و دماغ میں کما حقہ روشناس کرایا ہے کہ ساری کائنات میں صرف خدائے حد ہی ایک ایسی ہستی ہے جو مقتدا علیٰ ہونے کی مستحق ہے حاکمیت کے جملہ اختیارات اسی ذات کو حاصل ہیں کوئی دوسرا اس کائنات میں ان اختیارات کا حامل سرے سے ہے ہی نہیں اور نہ ہی کوئی اس کائنات کے انتظام وانصرام میں اس کے ساتھ شریک ہے حکم صرف اسی کا چلتا ہے وہی یکتا ہے اور اس کا ہمسر اور برابر کوئی نہیں۔

الله ربكم له الملك لااله الاهو (القران .الزمر: ٦).

''اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے اس کا راج (حکمرانی) ہے سوائے اس کے کوئی الہ نہیں''

الله ربكم لااله الاهو خالق كل شی ء فاعبدوه (القران الانعام: ١٠٢).

''اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے سو تم اس کی عبادت کرو''۔

له من فی السموت والارض . كل له قانتون (القران .الروم: ٢٦).

''اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کے حکم تابع ہیں''۔

له ما فی السموت ومافی الارض وما بينهماوماتحت الثرٰی (القران .طه: ٦).

''اس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور جو ان دونوں کے درمیان اور نیچے گیلی زمین میں ہے''۔

والشمس والقمرولنجوم مسخرات بامره الاله الخلق والامر تبرك الله رب العلمين (القران .الاعراف: ٥٤).

''سورج چاند اور ستارے اسکے حکم کے تابع ہیں سن لو پیدا کرنا اور حکم فرمانا اسی کا کام ہے جو سارے جہاں کا رب ہے''۔

يدبر الامرمن السماء الى الارض (القران .السجده: ٥).

''وہ آسمان سے زمین تک ہر کام تدبیر سے چلاتا ہے''۔

ولم يكن له شريك فی الملك (القران .الفرقان: ٢).

''اور سلطنت میں کوئی اس کا ساجھی نہیں''۔

ان الحكم الالله امر الا تعبدوا الاایاه (القران .يوسف: ٤٠).

''اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے اس نے حکم دیا کہ نہ پوجو مگر اسی کو'' قران کریم کی آیات مبارکہ پر غور فکر کرنے سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حاکمیت یعنی اقتدار اعلیٰ صرف اور صرف خدا ہی کی ذات ہے اس کے سوا حقیقی معنوں میں کسی اور کو حکم دینے کا ختیار ہی نہیں اس کے اختیارات ناقابل تقسیم ہیں کسی فرد یا کسی مظہر قدرت کو حاکمیت کا منصب اور مقام حاصل نہیں بلکہ یہ بلند و بالا منصب صرف خدا ہی کا ہے۔ خدا کی حاکمیت کا اقرار کروانا اور عملی نفاذ صرف حضور ﷺ کا مشن نہیں تھا بلکہ قرانی توضیحات کی رو سے تمام انبیاء کرام کا مشن تھا حضرت نوحؑ نے اپنے قوم کو یہی تعلیم دی تھی کہ اے لوگو! خدا کو اپنا حاکم اور معبود سمجھو۔ اس کے بنائے ہوئے قوانین

کے مطابق اپنی زندگی کا پروگرام بنالو، اللہ تعالیٰ نے حرام وحلال کی تفریق کردی ہے آپ حرام وحلال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کو تسلیم کریں۔

انا ارسلنا نوحا الی قومه ان انذر قومک من قبل ان یاتیهم عذاب الیم .قال یقوم انی لکم نذیر مبین .ان عبدالله واتقوه (القران .نوح : ۱ تا۳).

''ہم نے حضرت نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا کہ اپنی قوم کو (وبال کفر) سے ڈراؤ، اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آ پہنچے۔ کہا کہ اے میری قوم میں تم کو کھل کر ڈر سنا تا ہوں کہ اللہ کی بندگی کرو اور اسی سے ڈرو'' حضرت ابراہیمؑ نے اسی حقیقت کی [illegible] حاکم مطلق ''رب السموت والارض'' ہے۔

(قال بل ربکم رب السموت والارض [illegible] وان علیٰ ذلکم من الشهدین(القران .انبیاء: ۵۶).

''حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو تمام [illegible] اور زمین کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور میں اس بات پر گواہ ہوں'' حضرت یوسفؑ جب زلیخا کے مکروفریب کی وجہ سے جیل گئے تو جیل میں اپنے ساتھیوں سے بھی کہا تھا۔

ء ارباب متفرقون خیرام الله الواحد القهار(القران .یوسف : ۳۹).

''کیا متفرق معبود بہتر ہیں یا اکیلا زبردست اللہ؟''۔

مصر کا بادشاہ فرعون رعمسیس ثانی کہا کرتا تھا۔

انا ربکم الاعلیٰ (القران .النزعت: ۲۴).

''میں تمہارا سب سے اعلیٰ رب ہوں''۔

ماعلمت لکم من اله غیری (القران .القصص :۔۳۸)

''مجھ کو تو میرے سوا تمہارا کوئی حاکم معلوم نہیں'' فرعون کے دعویٰ کے برخلاف مقابلے میں حقیقی مالک کی طرف سے ایک اور اعلان جاری ہوا، اصل حاکم ارض وسماء کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کو حکم ملا۔

اذهب الی فرعون انه طغیٰ (القران ،النزعت:۱۷).

''فرعون کے پاس جاؤ اس نے بغاوت کی ہے'' فرعون نے دعویٰ کیا تھا کہ حاکمیت میری ہے میں سب پر غالب ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف حضرت موسیٰؑ کو بھیجا کہ فرعون کو سمجھا دے کہ تم نے حاکمیت کا دعویٰ کر کے بغاوت کر دی ہے۔ اصل حاکمیت تمہاری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن جب فرعون نے خدائی حاکمیت کا انکار کیا اور اپنی حاکمیت پر مصر رہا تو اسے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے سامنے اس قدر ذلیل وخوار کر دیا کہ رہتی دنیا تک لوگوں میں ملعون کر دیا اور بنی نوع انسان نے دیکھ لیا کہ اصل حاکم کون ہے۔

قرآنی تصور حاکمیت ذریعہ تحفظ حقوق انسانی:

قرآن کریم نے انسانیت کو حاکمیت الٰہی کا درس دے کر یہ حقیقت واضح کردی کہ اللہ تعالیٰ تمہارا صرف خالق و مالک اور رب و رازق ہی نہیں، بلکہ حاکم و شہنشاہ بھی ہے اور اسلامی ریاست میں مخلوق کی حاکمیت کے تمام تصورات کو خاک میں ملا دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو مقتدر اعلیٰ ماننے کی وجہ سے انسانوں میں حاکم و محکوم کی تفریق خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ اسلام میں ایک ادنیٰ ملازم سے لے کر یا معمولی شہری سے لے کر اعلیٰ ترین عہدیدار تک کی تمام لوگوں کی حیثیت برابر ہو جاتی ہے اور انسان کو مخلوق کی غلامی سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے جن لوگوں پر حکومت کا بار گراں رکھا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے تصور حاکمیت سے اس قدر مغلوب ہو جاتے ہیں کہ آمریت کی طرف قدم بڑھانے کا کوئی امکان نہیں رہ جاتا۔ حاکمیت الٰہی کے سچے تصور سے عام ریا بھی اس قدر بلند حوصلہ ہو جاتی ہے کہ وہ کسی آمر کے سامنے اس کے ناجائز حکم ماننے کو ہرگز تیار نہیں ہو سکتی۔ نہ ہی کوئی آمر و امام حقوق انسانی کے غصب کرنے کی جرات کر سکتا ہے اور نہ رعایا کسی کو ان کے حقوق پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت دے سکتی ہے

حاکمیت الٰہی کا تصور ہی انسانی حقوق کے بارے میں حاکموں کا رویہ بدل دیتا ہے وہ اپنے آپ کو مقتدر اعلیٰ نہیں بلکہ حاکم اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) کا نائب سمجھتا ہے اور مقتدر اعلیٰ کے آئین کا نفاذ اپنا سب سے بڑا فریضہ سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو حکمران نہیں بلکہ عوام کی خادم سمجھ کر ان کی خدمت کرنا باعث نجات خیال کرتا ہے چنانچہ خلفائے راشدین کی تاریخ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ بیعت خلافت کے بعد اپنے اولین خطبے میں فرماتے ہے۔

و الضعیف فیکم قوی عندی حتی اخذله حقه ان شاء الله و القوی ضعیف عندی حتی اخذالحق منه ان شاء الله . ۹

''ان شاء اللہ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک میں اس کو حق واپس دلا دوں اور ان شاء اللہ تمہارا قوی فرد میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلا دوں''

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وصال کے وقت اپنی تجہیز و تکفین کے بارے میں جو وصیت فرمائی اس میں بھی حقوق انسانی کا اس قدر لحاظ رکھا کہ اپنی تجہیز و تکفین کیلئے پرانے کپڑوں کو پسند فرمایا کہ نئے کپڑوں کے حقدار ان کے نزدیک اپنی میت سے زیادہ زندہ لوگ تھے چنانچہ انتقال سے بیشتر فرمایا ''اسی چادر میں جو اس وقت میں پہنے ہوئے ہوں مجھے کفن دینا کیونکہ زندہ کو مردہ کی نسبت نئے کپڑوں کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے''۔ ۱۰

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ بھی انسانی حقوق کا بہت احترام کرتے تھے دوران خلافت رعایا کو واضح طور پر بتایا تھا کہ رعایا کی خیر خواہی حکمرانوں پر ان کا حق ہے چنانچہ ایک دفعہ آپؓ نے خطاب میں فرمایا ''اے میری رعایا! ہم پر تمہارا یہ حق ہے کہ ہم غائبانہ طور تمہاری خیر خواہی کریں اور نیک کاموں میں تعاون کریں حاکم کی بردباری اور نرمی سے بڑھ کر کوئی خصلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب نہیں ہے عام

لوگوں کو بھی اس کا سب سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے''۔۱۱

ایک دفعہ آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا لوگو! مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے خراج اور اس غنیمت میں سے جو اللہ تعالیٰ عطا کرے کوئی چیز ناحق نہ لوں مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ جب تم میں سے کوئی میرے پاس آئے تو مجھ سے اپنا حق لے کر جائے مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ ان شاء اللہ میں تمہارے عطیات و وظائف میں اضافہ اور تمہاری سرحدوں کو مستحکم کر دوں اور مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہیں ہلاکت میں ڈالوں تمہیں گھر واپس آنے سے نہ روکے رکھوں اور جب تم جنگ پر جاؤ تو ایک باپ کی طرح تمہارے اہل وعیال کی نگہداری کروں۔۱۲

ایک دفعہ آپؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو برحق رسول بنا کر بھیجا اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی اونٹ ناحق ہلاک ہو جائے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آل خطاب سے اس بارے میں باز پرس کرے گا۔۱۳

ایک اور موقع پر فرمایا کہ'' آپ لوگوں نے مجھ پر خلافت کی امارت کا بار ڈالا ہے لیکن میں اپنے آپ کو ایک چرواہے کی مانند سمجھتا ہوں چرواہا اگر غفلت کرتا ہے تو نہ فقط اسے نقصان ہی پہنچا ہے بلکہ اس کی باز پرس بھی ہوتی ہے لھذا میں جانتا ہوں کہ اگر فرائض امارت کے ادا کرنے میں مجھ سے کوئی قصور ہو جائے تو مجھے درگاہ ایزدی میں اس کا جواب دینا پڑے گا۔۱۴

حضرت عمرؓ نے خلافت کا بار اٹھاتے ہی جس دستور العمل کا اعلان کیا تھا اپنے دس سالہ دور خلافت میں سختی سے اس پر عمل کیا خلافت کا بار گراں سنبھالتے ہی اپ نے فرمایا تھا'' لوگو! میں تم ہی میں سے ایک انسان ہوں اگر مجھے خلیفہ رسول ﷺ (ابوبکر صدیقؓ) کی حکم عدولی گوارا ہو سکتی تو میں یہ ذمہ دار کبھی قبول نہ کرتا مجھے معلوم ہے کہ لوگ میری سختی سے ڈرتے اور کانپتے ہیں لیکن اے لوگو! یہ سختی اب نرمی سے بدل گئی ہے لیکن ان لوگوں کیلئے بدستور قائم ہے جو مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کرتے ہیں وہ لوگ جو امن وسلامتی سے رہتے ہیں اور جرأت ایمانی سے کام لیتے ہیں ان کے لئے میں سب سے زیادہ نرم ہوں اگر کوئی ظلم وزیادتی کرے گا تو میں اسے اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک کہ اس کا ایک رخسار زمین پر نہ ٹکا دوں اور دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں نہ رکھ دوں لیکن اہل عفاف کیلئے اپنا رخسار زمین پر رکھ دوں گا''۔۱۵

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت عثمانؓ خلیفہ بنائے گئے تو بیعت خلافت کے بعد آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور ایک جامع مگر مختصر تقریر کی جس میں متاع دنیا کی بے ثباتی بیان کر کے اس کے مقابلے میں اجر آخرت کا تصور دلایا۔۱۶

اور اخر دم تک وہ اس پر کاربند رہے اگرچہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت کے آخری ایام میں مفسدین نے من گھڑت روایات کے ذریعے حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کر لی تھی لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحب زادے سالم بن عبداللہ دور عثمانی کے کیفیت کو اپنے مندرجہ ذیل بیان میں پیش کرتے ہیں کہ'' حضرت عثمانؓ جب سے خلیفہ المسلمین مقرر ہوئے تھے، آخری حج کے بغیر تمام سالوں میں انہوں نے خود حج کرائے۔

ان کے دور میں لوگ امن وامان میں تھے حضرت عثمان کی طرف سے حکام اور کارندوں کو حکم لکھ کر ارسال کیا جاتا اور جن لوگوں کو ان کے متعلق کوئی شکایت ہوتی ان کو بھی لکھ دیا جاتا کہ دونوں فریق ہر سال حج کے موقع پر حاضر ہوں تا کہ شکوہ شکایات سن کر اکا ازالہ کیا جا سکے''۔۱۷

حضرت عثمانؓ نے عوام کے حقوق کی کہاں تک حفاظت کی؟ اور عوامی حقوق کے کتنے بڑے پاسبان ومحافظ تھے؟ اس کا جواب ہمیں ان مکتوبات اور فرامین میں ملتا ہے جو آپؓ نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی اپنے گورنروں فوجی جرنیلوں اور افسران مال کو ارسال کئے تھے اپنے گورنروں اور اعلیٰ حکام کو پہلا فرمان یہ لکھا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حکام وائمہ کو حکم دیا ہے کہ وہ رعیت کے محافظ ونگران بنیں انہیں یہ حکم نہیں دیا کہ ٹیکس وصول کرنے والے بن کر رہ جائیں بلاشبہ اس امت کے متقدمین ائمہ محصل ہی نہیں تھے بلکہ رعیت کے محافظ ونگران تھے لیکن آب وہ وقت قریب نظر آرہا ہے کہ حکام محافظ ونگران بننے کی بجائے صرف محصل بن کر رہ جائیں گے جب وہ ایسا کریں گے تو حیا' امانت اور وفا کا نام ونشان باقی نہیں رہے گا یاد رکھو سب سے زیادہ عادلانہ طرز عمل یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے امور واحوال کو ملحوظ رکھو' جوان کا حق ہے وہ انہیں دو' اور جوان پر واجب الادا ہے وہ ان سے لو پھر ذمی لوگوں کا خیال کرو جوان کا حق ہے وہ انہیں دو اور جو کچھ ان پر واجب الادا ہے وہ ان سے وصول کرو پھر دشمنان دین کا معاملہ ہے' جن سے تم دو چار ہوتے رہتے ہو تو ان پر فتح حاصل کرو مگر عہد وپیمان پورا کرو۔۱۸

اعمال الخراج یعنی مالیات کے حکام کو لکھا کہ ''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا وہ حق کے سوا کوئی چیز قبول نہیں فرماتا لہٰذا تم اپنا حق وصول کرو اور حق والوں کو ادا کرو''۔۱۹

عام لوگوں کیلئے شہروں میں حضرت عثمانؓ تحریری فرمان ارسال کرواتے کہ ''نیکی کا حکم کیا کرو اور برائی سے باز رہو اور کوئی مسلمان اپنے آپ کو ذلیل وعاجز نہ سمجھے میں قوی شخص کے مقابلے میں ضعیف آدمی کے ساتھ ہوں جب تک وہ مظلوم ہے ان شاء اللہ۔۲۰

خلفائے ثلاثہ کی طرح خلیفہ رابع حضرت علیؓ بھی آخرت کی جواب دہی کے احساس کے ساتھ خلافت کے امور سرانجام دے رہے تھے انہوں نے کبھی بھی اپنے آپ کو ایک مطلق العنان حکمران نہیں سمجھا چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ جب آپؓ نے اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھی تو ایک عام آدمی کی طرح اس کے خلاف قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا قاضی نے حضرت علیؓ سے ثبوت طلب کیا لیکن وہ اسلامی قانون عدل کے مطابق ثبوت پیش نہ کر سکے قاضی نے حضرت علیؓ کا دعویٰ خارج کر دیا ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک یہودی کو دیکھا کہ وہ اس کا زرہ فروخت کا رہا ہے آپؓ نے یہودی سے کہا کہ یہ زرہ میری ہے انکار پر فیصلہ قاضی شریح کی عدالت میں پیش ہوا قاضی سے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ زرہ میری ہے جو میں نے نہ کسی کو ہبہ کی ہے اور نہ فروخت کی ہے قاضی شریح نے اس یہودی سے پوچھا تم اس بارے میں کیا کہتے ہو اس نے کہا یہ زرہ یقیناً میری ہے گو کہ میں امیر المومنین کو جھوٹا نہیں کہتا قاضی نے حضرت علیؓ کی طرف دیکھا اور پوچھا کیا آپ کے پاس گواہ ہے اسلامی قانون عدل کے مطابق گواہ نہ ہونے کی بناء پر قاضی نے فیصلہ حضرت علیؓ کے خلاف اور یہودی کے حق میں دے دیا۔۲۱

صرف یہی نہیں کہ قرآنی تصور حاکمیت کی وجہ سے ریاست کے عہدیداروں کو انسانی حقوق کا پاس تھا اور اپنے آپ کو حکمران نہیں بلکہ رعایا کے خادم سمجھتے تھے اور خدمت میں کوتاہی اپنی آخرت کی ناکامی کا ذریعہ خیال کرتے تھے بلکہ قرآنی تصور حاکمیت کی وجہ سے رعایا بھی اس

قدر حوصلہ مند تھی کہ حکمرانوں سے اپنے حقوق ہر لحاظ سے وصول کر لیا کرتی تھی حضرت عمرؓ کے دور خلافت کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مال خمسی میں سے اہل بیت کا حق ان کو دیا لیکن ان کو کمی معلوم ہوئی تو سب نے لینے سے انکار کر دیا کہ ہمیں پورا حق دیا جائے ۲۲ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا لوگو اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو کیا کرو گے؟ یہ سنتے ہی ایک شخص نے تلوار کھینچ لی اور کہا تمہارا سر اڑا دوں گا آپؓ نے بھی اس کی دلیری آزمانے کے لئے ڈانٹ کر کہا تو امیر المومنین کی شان میں گستاخی کرتا ہے اس نے کہا ہاں کرتا ہوں حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دیں گے۔۲۳ ایک دفعہ حضرت عمرؓ مجلس کو خطاب کرنے اٹھے تو ایک بدو اٹھا اور کہا ''لا سمع و لا طاعة'' یعنی نہ سنتا ہوں نہ اطاعت کرتا ہوں حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیوں؟ بدو بولا یمن سے چادریں آئی تھیں ان میں سے ایک ایک چادر سب کے حصے میں آئی تھی اس چادر سے قمیص نہیں بن سکتی آپ نے اس چادر کی قمیص پہنی ہوئی ہے یقیناً آپ نے اپنے حصے سے زائد کپڑا لیا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کا جواب میرا بیٹا دے گا یہ سن کر عبداللہ بن عمرؓ اٹھے اور کہا کہ میں نے اپنے حصے کی چادر انہیں دے دی اس طرح ان کی قمیص بنی ہے یہ سن کر بدو دوبارہ اٹھا اور کہا ''الان اسمع و اطیع'' یعنی اب سنتا ہوں اور اطاعت کرتا ہوں۔۲۴

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے مہر کے زیادہ باندھنے کی ممانعت پر خطبہ پڑھا تو ایک بڑھیا نے قرآن شریف آیت کی قنطار مقنطرۃ پڑھتے ہوئے کہا کہ جس چیز کو خداوند کریم جائز اور مباح کرے تم کیونکر منع کر سکتے ہو حضرت عمرؓ نے انصاف کو فوقیت دیتے ہوئے فرمایا: ''کل الناس افقا من عمر حتی المخذرات'' یعنی تمام لوگ عمر سے زیادہ فقیہ ہیں یہاں تک کہ عورتیں بھی۔۲۵

درجہ بالا حقائق سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ جب قلوب حاکمیت الٰہی کے تصور سے معمور تھے تو کوئی شخص بھی اپنی عزت اور جان و مال میں کسی سے خائف نہیں تھا اور سوائے ان ذرائع کے جو شرعاً جائز ہیں کسی سے خلیفہ وقت بھی کچھ مزاحمت نہیں کر سکتا تھا بلکہ جو امور مصلحت وقت سے خلیفہ جاری کرنا چاہتا تھا اور کوئی ان کی قباحت ثابت کر کے ان سے انکار کرتا تو خلیفہ وقت کو سوائے سکوت کے کچھ چارۂ کار نہ تھا۔

خلاصۃ البحث:

درجہ بالا توضیحات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مقتدا علیٰ یا حاکمیت کے لئے جن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے اس کا واقعی مصداق مخلوقات کے دائرے میں تلاش کرنا ناممکن ہے مقتدا علیٰ کی کی خصوصیات کی حامل ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے حاکمیت میں اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کیا جا سکتا قرآن پاک نے بار بار اس حقیقت کو واضح کیا ہے مزید براں قرآنی تصور حاکمیت حقوق انسانی کے تحفظ کے لئے بھی ایک مؤثر محرک ہے کیونکہ قرآنی تصور حاکمیت کی وجہ سے ذمہ داران مملکت جواب دہی کے تصور سے اس قدر مغلوب ہوتے ہیں کہ اس کے قدم کسی بھی صورت میں آمریت کی طرف نہیں جاتے اور حقوق انسانی کا تحفظ اپنا

دینی فریضہ سمجھتے ہیں خلفائے راشدین کے فرامین اور طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر شدت سے لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھتے تھے مسلمان تو مسلمان بلکہ ذمیوں اور محارب دشمنوں تک کے حقوق کے محافظ تھے اور ان پر ظلم وتعدی اور ان سے بے وفائی وبدعہدی کی اجازت نہیں دیتے تھے ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی حمایت کرتے' برسر عام عامتہ الناس کو گورنروں تک کے خلاف شکایت کرنے کی دعوت دیتے اور شکایات کا ازالہ فرماتے مظلوم ومجبور اور احساس کمتری میں مبتلا لوگوں کے جذبات غیرت کو بیدار کرتے اور انہیں عزت نفس کا درس دیتے پس قرآنی تصور حاکمیت ایک طرف تو حکمرانوں کی آمریت اور انہیں ظلم وستم اور جبر وتشدد کی راہ پر لے جانے والے محرکات کا سد باب کرتا ہے اور دوسری طرف عام رعایا میں اس قدر خود اعتمادی' بہادری' اور بے خوفی کے ایسے جواہر پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی مانند مخلوق کے سامنے بے بسی وبے چارگی کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ آمریت کے لئے ناقابل تسخیر قوت بن جاتے ہیں اور کسی صورت میں بھی کسی کو اپنے حقوق غصب کرنے کی اجازت نہیں دیتے اور حکمرانوں کے غلط اقدامات کے لئے سد سکندری بن جاتے ہیں۔ ھذامن عندی واللہ اعلم بالصواب.

المراجع والمصادر:

۱۔ (A) The new WEBSTER Encyclopedic Dicitionary of English Language including A Dictionary of synonyms and twelve supplementary Reffanc Section: Under words sovering sovereingty P:802 Mar. Azra Qamar,pricoples of civics,Pub: Kifayat.

(B) Acadeny Karachi 1978,P:61.

۲۔ (A) Kapur Anup Chand,principles of Political Science,Pub:S.Chsnd & company New Dlihi,1981,P:145.

(B) The Encyclopedia of Philosophy,volumes 7,8:Macmillan Publishing company New York.P:502.

۳۔ Kapur A.C,Principles of Political Sciene,P:145.

۴۔ Ibid

۵۔ Ibid

۶۔ Ibid

۷۔

(A) Ibid,P:157

(B) International Encyclopedia of Social Sciences,Volumes15,16,17,the Macmmillan comp,the free press NewYork,1972,PP:80,81

۸ صدارتی نظام میں برتر قوت صدر کی ذات سمجھی جاتی ہے پارلیمانی نظام میں برتر قوت ملک کی پارلیمنٹ اور کابینہ سمجھی جاتی ہے نظری حاکمیت یا اقتدار اعلیٰ کی رو سے برتر قوت وطن یا ریاست ہے جبکہ آج کل جمہوری دور میں برتر قوت ملک کے عوام قرار دیے جاتے ہیں۔

(A) Ria Hameed.A.K,principles of political science,Pub.Aziz publishers Lahor,1991.PP:217 to 224

(B) kapur A.C Principles of political Science,PP:148.156)

۹۔ (ا)ابن کثیر اسماعیل بن عمر ،الکامل فی التاریخ ،ج ۵ ،دار صادربیروت ،۱۹۶۵ء، ص ۳۳۲(ب)ابن خلدون عبدالرحمن ، تاریخ ابن خلدون ،ترجمہ احمد حسین الہ آباد ی، نفیس اکیڈی کراچی ، ۱۹۸۱ء ،ص ۲۲۳

۱۰۔ (ا)ابن کثیر اسماعیل بن عمر ،الکامل التاریخ ،ج ۲ ،ص ۴۱۹

(ب) ابن سعد محمد ،طبقات ابن سعد ،ترجمہ عبداللہ العمادی ،ج ۱ ، دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد وکن ،۱۹۴۴ء ،ص ۳۳

(ج) طبری محمد بن جریر ، تاریخ طبری، ج ۲ ، ترجمہ محمد ابراھیم ، نفیس اکیڈمی کراچی ،س ن ،ص ۲۶۹.

۱۱۔ طبری محمد بن جریر، تاریخ طبری ، ج ۲، س ۲۶۶.

۱۲۔ ھیکل محمد حسین ،عمر فاروق اعظم ، ترجمہ حبیب اشعر ، مکتبہ میری لائبریری لاھور ، ۱۹۸۴ء، ص ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱.

۱۳. طبری محمدبن جریر، تاریخ طبری، ج ۲، ص ۲۴۱.

۱۴. شوق منشی عبدالرحمن، تاریخ اسلام، ج ۲، ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز لاهور، ۱۹۵۹ء، ص ۴۰۹.

۱۵. (ا) مولانا شبلی، الفاروق، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۹۱ء، ص ۳۷۲.

(ب) هیکل محمد حسین، عمر فارق اعظم، ترجمه حبیب اشعر، ص ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱.

(ج) صادق حسین، اسلام کے عظیم فرزند، ج ۱، یوسف پبلشرز راولپنڈی، ۱۹۷۹ء، ص ۲۲.

۱۶. طبری محمد بن جریر، تاریخ تاریخ طبری، ج ۳، ص ۲۹۸.

۱۷. (ا) مولانا محمد نافع، مسئله اقرباء، نوازی ملحق بکتاب رحماء بینهم حصه عثمانی، مکه بکس بخشی سٹریٹ لاهور، ۱۹۸۱ء، ص ۳۲۹، ۳۷۰.

(ب) ابن سعد محمد، طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۹۲.

۱۸. (ا) طبری محمد بن جریر، تاریخ طبری، ج ۳، ص ۳۰۰.

(ب) سید نور الحسن شهادت امام مظلوم سیدنا عثمانؓ ذوالنورین، دارالاشاعت کراچی، س ن، ص ۱۷۹، ۱۸۰.

۱۹. (ا) طبری محمد بن جریر، تاریخ طبری، ج ۳، ص ۳۰۰.

(ب) سیدنورالحسن، شهادت امام مظلوم سیدنا عثمانؓ، ص ۱۸۰.

۲۰. (ا) طبری محمد جریر، تاریخ طبری، ج ۳، ص ۳۰۰.

(ب) سیدنور الحسن، شهادت امام مظلوم سید نا عثمانؓ، ص ۱۸۰، ۱۸۱.

(ج) مولانا محمد نافع، مسئله اقرباء نوازی، ص ۳۷۰.

۲۱. ابن کثیر اسماعیل بن عمر، الکامل فی التاریخ، ج ۳، ص ۴۰۱.

۲۲. سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والا مارة باب بیان موضع قسم الخمس وسهم.

۲۳. مولانا شبلی، الفاروق، ص ۳۳۲.

۲۴. هیکل محمد حسین، عمر الفاروق اعظم، ص ۵۹۰.

۲۵. شوق منشی عبدالرحمن، تاریخ اسلام، ص ۴۵۰.

.....☆☆☆☆☆.....

اجتہاد اور اصول اجتہاد　　تیسری قسط :

اجتهاد اور تبدیلئ احکام

مولانا مجیب اللہ ندوی

جامعۃ الرشاد،رشادنگر انڈیا

قارئین حضرات نوٹ فرمالیں کہ مذکورہ مضمون علمی دقائق پر مشتمل ہے اس لئے مضمون کو سمجھنے کے لئے شمارہ نمبر۱،۲(قسط اوّل دوم) کا مطالعہ ضروری ہے۔

......ادارہ

اولیات عمر رضی اللہ عنہ:

خلفائے راشدین کے جن فیصلوں کو تبدیلئ احکام کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے ان میں سب سے زیادہ زور حضرت عمرؓ کے ان فیصلوں پر دیا جاتا ہے جن کا ذکر مورخین(۱) اولیاتِ عمرؓ کے نام سے کرتے ہیں۔ مثلاً سوادِ عراق کی زمین کا بندوبست، قطع ید کی منسوخی، حدِ خمر میں اسی کوڑے کی تعین امہات الاولاد کی خرید وفروخت کی ممانعت، ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو مغلظہ قرار دینا، گھوڑوں کی زکوٰۃ کی وصولی، کتابیہ سے نکاح کی ممانعت، ہجوگوئی اور تشبیب کی ممانعت، بیس رکعت تراویح باجماعت کی تعیین وغیرہ۔ ان کے علاوہ بھی بعض اولیاتِ عمرؓ کو ڈاکٹر محمصانی اور ادارہ ثقافت کے فضلاء نے بطور ثبوت پیش کیا ہے۔ آئندہ صفحات میں ان تمام اولیاتِ عمرؓ کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

اس سے اہلِ علم خود فیصلہ کریں گے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے یہ فیصلہ کتاب وسنت کے خلاف تھے یا ان کے تقاضے اور منشا کے مطابق تھے۔

سوادِ عراق کا بندوبست:

سوادِ عراق کی زمینوں کا جو بندوبست حضرت عمرؓ نے کیا تھا اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بندوبست نبی ﷺ کے اس طرزِ عمل کے بالکل خلاف ہے جو آپؐ نے خیبر میں اختیار فرمایا تھا۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر مصلحت متقاضی ہو تو ہر صاحب امر کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے اجتہاد سے جس ثابت شدہ اسلامی حکم کو چاہے بدل دے۔

حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ اور اسوۂ نبی میں ان ہی لوگوں کو تخالف اور تضاد نظر آتا ہے جو اس مسئلہ پر سرسری اور سطحی نگاہ ڈالتے ہیں مگر جو اہل علم فے وغنیمت کے سلسلہ میں قرآن کی مفصل ہدایات اور اسوۂ نبی کے ہر پہلو پر نظر رکھتے ہیں، وہ کبھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتے کہ

(۱)(اولیاتِ عمر کی تعداد پچاس سے متجاوز ہے۔ ان کو اولیات دو مفہوم کی وجہ سے کہا جاتا ہے ایک تو یہ کام سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے کیا۔ مثلاً جیل خانہ کی ایجاد، دوسرے یہ کہ اس حکم کو اس صورت میں حضرت عمرؓ نے نافذ کیا۔ یا کتاب وسنت سے اس کے دو پہلو نکلتے تھے ان میں سے ایک کو سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے موکد کردیا۔)

سوادِ عراق کی زمینوں کے بندوبست میں حضرت عمرؓ نے اپنے ذاتی اجتہاد کو قرآن کی ہدایات یا اسوۂ نبی پر ترجیح دی۔ حضرت عمرؓ کے طرزِ عمل کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ فے وغنیمت کے اموال وجائداد کی تقسیم کے سلسلے میں قرآن نے جو ہدایات دی ہیں۔ اوران کی روشنی میں نبی کریمؐ نے جو طرزِ عمل اختیار فرمایا ہے۔ ان پر ایک نظر ڈال لی جائے ہم اختصار کے ساتھ ان کو پیش کرتے ہیں۔ حوالہ (عام طور پر فے اور غنیمت میں یہ فرق کیا جاتا ہے کہ فے وہ مال ہے جو بغیر جنگ کئے ہوئے صلح اور معاہدہ کے ذریعہ حاصل ہو۔ اور غنیمت وہ مال ہے جو جنگ کے ذریعہ سے حاصل ہو۔ مگر یہ فرق ایک اصطلاحی فرق ہے ورنہ قرآن، حدیث اور آثار صحابہ میں یہ دونوں لفظ ایک دوسرے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس لئے یہاں دونوں الفاظ کے استعمال میں اصطلاحی فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ بعض علماء نے دونوں میں یہ تفریق کی ہے کہ غنیمت منقولہ اموال کو کہتے ہیں اور فے غیر منقولہ کو قرآن کے ظاہری الفاظ سے یہ تفریق صحیح معلوم ہوتی ہے۔ مگر ارشاد نبویؐ میں اسلامی حکومت کی ہر طرح کی آمدنی کو بھی فے کہا گیا ہے۔ اس لئے بالکلیہ یہ تفریق بھی صحیح نہیں ہے مگر کثری اعتبار سے صحیح ہے۔)

فے اور غنیمت کے اموال کی قسمیں:

فے اور غنیمت کے ذریعہ جو چیزیں اسلامی حکومت کے قبضہ میں آئیں، وہ دو طرح کی تھیں۔ ایک منقولہ اموال وجائداد مثلاً روپیہ پیسہ، سونا چاندی، سواری اور سامان وغیرہ۔ دوسرے غیر منقولہ جائداد جیسے زمین مکان وغیرہ۔

منقولہ اموال میں اسوۂ نبوی:

منقولہ اموال میں نبی کریم ﷺ کا عام طرزِ عمل یہ ہوتا تھا کہ آپؐ سب سے پہلے اسلامی حکومت کا حق[1] خمس ۵/ نکلوانے کے بعد بقیہ ۴/۵ کو ضروت وخدمت کے تحت فوجیوں میں تقسیم فرمادیتے تھے۔ یہ طرزِ عمل ان منقولہ اموال میں ہوتا تھا جو جنگ کے ذریعہ حاصل ہوتے تھے۔ لیکن جو منقولہ اموال صلح ومعاہدہ یا بطور ٹیکس آپ کے پاس آتے تھے، اس میں سے خمس نہیں نکالا جاتا تھا، بلکہ قرآن کی ہدایت کے مطابق وہ سب آپؐ عام مسلمانوں میں تقسیم فرمادیتے تھے۔ اس تقسیم میں بھی آپؐ ضرورت وخدمت کا لحاظ فرماتے تھے، جیسا کہ بنونضیر وغیرہ کی منقولہ اشیاء میں کیا گیا، یعنی بنونضیر کا کل مال آپؐ نے مہاجرین میں تقسیم فرمایا، صرف دو مستحق انصاری صحابہ کو اس میں سے کچھ حصہ دیا۔

خمس جو اسلامی حکومت کی ملکیت میں ہوتا تھا، قرآن کی ہدایت کے مطابق آپؐ اس میں سے کچھ اپنے اور اپنے اہل وعیال کی کفالت کے لئے لے لیتے تھے اور بقیہ ذوی القربیٰ یتامیٰ مساکین اور مسافروں پر صرف فرماتے تھے۔ اس سلسلہ میں قرآن کی ہدایت کا ذکر آگے

---

[1] (خمس کو اسلامی حکومت کا حق اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ بھی مصالح عامہ ہی میں صرف ہوتا ہے نبی ﷺ جنگ کے بعد فرمایا کرتے تھے۔ "ھذہ غنائمکم وانہ لیس لی فیھا الا نصیبی معکم الخمس والخمس مردود فیکم"۔ یہ غنائم تمہارے ہی لئے ہیں میرا حصہ بجز خمس کے کچھ نہیں ہے اور خمس بھی تمہارے ہی اجتماعی مصالح پر صرف کردیا جاتا ہے۔)

آئے گا۔ یہ طرزِ عمل آپؐ نے غزوۂ بدر سے لے کر غزوۂ حنین تک اختیار فرمایا تھا۔

غیر منقولہ جائدادوں میں آپؐ کا طرزِ عمل:

منقولہ اموال میں تو آپؐ کا طرزِ عمل ہمیشہ یہی رہا۔ مگر غیر منقولہ جائدادوں میں قرآن کے دیئے ہوئے اختیار کے مطابق آپؐ کا طرزِ عمل حالات ومصالح کے پیشِ نظر مختلف مواقع پر مختلف رہا۔ کبھی آپؐ نے کسی جائداد کو مستحقین میں تقسیم کر دیا۔ کبھی مفادِ عامہ کی خاطر اسے حکومت کی مِلک قرار دیا اور کسی جائداد کے بعض حصے کو تقسیم کیا اور بعض کو اپنے اور اپنے اہلِ وعیال کی کفالت کے لئے مخصوص فرمالیا اور کسی جائداد کو مہمانوں، مسافروں اور وفود کے اخراجات کے لئے خاص فرمادیا۔ غرض ضرورت ومصلحت کے مطابق آپؐ اس میں تصرف فرماتے تھے اس لئے کہ قرآن کی ہدایت میں یہ وسعت موجود تھی۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی غیر منقولہ جائداد آپؐ کو انصار نے دی تھی، جن کو آپؐ وقتاً فوقتاً ضرورت مند مسلمانوں کو زراعت وغیرہ کے لئے عنایت فرمایا کرتے تھے۔(۱) اس کے بعد ایک اہلِ کتاب صحابی حضرت مخریقؓ صاحب(۲) غزوۂ احد کے دن آپؐ کو اپنے چھ ذاتی باغات ہبہ کر دیئے تھے جس کی آمدنی کو آپؐ نے عام مسلمانوں کے لئے وقف فرمادیا تھا۔ اس کے بعد یہودِ مدینہ کے مشہور قبیلہ کی جائداد اسلامی حکومت کے قبضہ میں آئی۔ اسی موقع پر سود کا نزول ہوا اور اس میں اس جائداد اور دوسری غیر منقولہ جائدادوں کے بارے میں ہدایات تھیں۔ خاص طور پر بنونضیر کی جائداد کے بارے میں آپؐ کو رسول خدا اور اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے پورا اختیار دیا گیا کہ آپؐ اسے جس طرح چاہیں اور جہاں چاہیں صرف کریں۔ چنانچہ آپؐ نے اس کا حصہ مہاجرین میں تقسیم فرمادیا۔(۳)

---

(۱) صحیح مسلم میں ہے۔ ''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما فرغ من قتال اھل خیبر وانصرف الی المدینتہ رد المھاجرون الی الانصار منا ئحھم التی کانو ا منحو ھم من ثمار ھم''. (مسلم ج ۲ ص ۹۶).

(۲) (حضرت مخریقؓ صاحبِ حیثیت یہودی علماء میں سے تھے اور حضرت عبداللہ بن سلام کے بعد اسلام لائے۔ غزوۂ احد میں شریک ہوئے اور زخمی ہوکر شہید ہوئے۔ جس وقت یہ زخمی ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا۔ آپؐ تشریف لائے تو اپنے کھجوروں کے چھ ذاتی باغات فی سبیل اللہ وقف فرما کر جان، جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ آپؐ نے ان کے اس ایثار وقربانی اور خلوص کی بنا پر فرمایا کہ مخریق سائق یہود، مخریق یہود کو اسلام کی طرف لانے والوں میں ہیں اور خود آگے جانے والوں میں ہیں۔)

(۳) (بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بنونضیر کی کل زمین وباغ کی آمدنی کو آپؐ نے اپنے اہل وعیال کے کفالت کے لئے مخصوص کرلیا تھا اور اس سے جو کچھ بچ جاتا تھا وہ آپؐ سامانِ جہاد کی تیاری میں صرف فرماتے تھے لیکن ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے چونکہ اس جائداد میں خدا نے آپ کو کلی اختیار دیا تھا کہ آپ جس طرح چاہیں صرف کریں، اس لئے اسی اختیار کی بناء پر اس کو عام طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ (صفاء) کہا جاتا تھا۔ اسی بات کو بعض رواۃ نے یوں بیان کیا ہے کہ یہ جائداد آپؐ کے لئے مخصوص تھی مگر اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ آپؐ نے اسے تقسیم نہیں کیا بلکہ اس میں محض آپؐ کے قبضہ وتصرف کا ذکر ہے اس لئے کچھ حصہ کا تقسیم نہیں کیا بلکہ اس میں محض آپؐ کے قبضہ وتصرف کا ذکر ہے اس لئے کچھ حصہ تقسیم کر دینا اس کے منافی نہیں ہے۔ رزقانی لے اس

بقیہ حوالہ آگلے صفحے پر

اور ایک حصہ کو ازواجِ مطہرات، اہلِ بیت اور اپنی کفالت کے لئے مخصوص فرمالیا، جو حصہ اپنے اہل وعیال کے لئے مخصوص فرمایا تھا اس کی آمدنی سے صرف بقدر کفاف ازواجِ مطہرات اور اہل بیت کو عنایت فرماتے تھے بقیہ آمدنی دینی ضروریات اور جہاد کے سامان کی تیاری میں صرف ہوتی تھی۔ حوالہ (حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ " **فیجعل مجعل مال**" اللہ اس کو اسی طرح صرف کرتے تھے، جس طرح خدا کے مال کو صرف کرنا چاہیئے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ کا یہ قبضہ قبضۂ مالکانہ نہیں بلکہ قبضۂ حاکمانہ تھا۔)

حضرت عمرؓ کے الفاظ ہیں:۔ "**اموال بنی نضیر حبسا لنوائبه**" بنونضیر کی ساری جائداد ان دینی ودنیاوی ضروریات کے لئے مخصوص تھی جو آپؐ کو پیش آتی رہتی تھیں۔

بنونضیر کے بعد دوسرے یہودی قبیلہ بنوقریظہ کی جائداد آپؐ کے قبضہ میں آئی خمس نکالنے کے بعد اس کو آپؐ نے عام مسلمانوں میں تقسیم کردیا۔ فتوح البلدان میں امام زہری کا قول منقول ہے کہ:۔ "**قسمهما رسول الله صلى الله عليه وسلم بين المسلمين على السهام**"۔ (ص ۱۲۹ نیز زرقانی ج ۲، ص ۱۶۵)

ان کی جائداد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں میں حصہ کے مطابق تقسیم کردیا۔

خیبر کی جائداد:

اب تک وقف، صلح یا جنگ کے ذریعہ مسلمانوں کو جتنی جائدادیں ملی تھیں ان میں سب سے بڑی جائداد خیبر میں ملی تھی۔ (خدا نے حدیبیہ کے موقع پر یہ وعدہ کیا تھا کہ" **وعدكم الله مغانم كثيرة يأخذونها**"۔ اللہ تعالیٰ تم سے کثیر مالِ غنیمت کا وعدہ کرتا ہے جو تمہارے ہاتھ آئے گا۔ اس وعدہ کی ابتداء خیبر ہی سے ہوئی۔)

خیبر کے بارے میں عام طور مشہور ہے کہ خمس نکالنے کے بعد اس کو فوجیوں میں تقسیم کردیا گیا، مگر یہ بات کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں ہے بلکہ خیبر کے منقولہ اموال کی تقسیم بھی اسی طرح کی گئی جس طرح اس سے پہلے آپ فرمایا کرتے تھے۔ اور غیر منقولہ جائداد کی تقسیم یوں کی گئی کہ خمس نکالنے کے بعد پوری جائداد ۳۶ حصوں میں تقسیم کردی گئی، جن میں سے اٹھارہ حصے دینی وسیاسی ضروریات کے لئے مخصوص کرلئے گئے بقیہ اٹھارہ حصوں کو تمام فوجیوں میں تقسیم کردیا گیا۔ ابوداؤد نے اسے کئی طریقوں سے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے:"**قسم خيبر على ستة وثلثين سهما فعزل نصفها لنوائبه وما ينزل وعزل نصف الا خربين المسلمين**"۔

آپؐ نے خیبر کی زمینوں کی چھتیس حصوں میں تقسیم کیا۔ اس میں سے اٹھارہ حصے آپؐ نے ہنگامی ضروریات اور دوسری ضروریات کیلئے

گذشتہ صفحے کا حوالہ (۳) کی ایک اور توجیہ کی ہے وہ یہ کہ آپؐ نے منقولہ اموال اور مکان مہاجرین میں تقسیم فرمایا، زمین اور باغ نہیں، اسی کو راویوں نے یوں بیان کیا ہے کہ آپؐ نے ان کے اموال کو مہاجرین میں تقسیم کیا۔ یہ توجیہ اس لئے قرین قیاس ہے کہ آپؐ نے انصار سے پوچھا کہ بنونضیر کے اموال کو تمہارے اور مہاجرین دونوں کے درمیان تقسیم کردیا جائے یا صرف مہاجرین میں۔ انہوں نے بخوشی اس کی اجازت دے دی کہ مہاجرین میں تقسیم کردیا جائے۔ صرف دو ضرورتمند انصاریوں کو اس میں سے حصہ دیا گیا ان کا استدلال لفظ "اموال" پر ہے یعنی روایتوں میں اموال بنی نضیر کا لفظ ہی آیا ہے۔)